

تفسیر لفظ قرآن

فاطر

نام | پہلی ہی آیت کا لفظ "فاطر" اس سورہ کا عنوان قرار دیا گیا ہے جس کے معنی صرف یہ ہیں کہ یہ وہ سورہ ہے جس میں فاطر کا لفظ آیا ہے۔ دوسرا نام "الملائکہ" بھی ہے اور یہ لفظ بھی پہلی آیت ہی میں وارد ہوا ہے۔

زمانہ نزول | انداز کلام کی اندرونی شہادت سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ اس سورت کے نزول کا زمانہ غالباً مکہ معظمہ کا دور متوسط ہے، اور اس کا بھی وہ حصہ جس میں مخالفت اچھی خاصی شدت اختیار کر چکی تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو ناکام کرنے کے لیے ہر طرح کی بُری سے بُری چالیں چلی جا رہی تھیں۔

موضوع و مضمون | کلام کا مدعا یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو حید کے مقابلہ میں جو رو بہ اُس وقت اہل مکہ اور اُن کے سرداروں نے اختیار کر رکھا تھا اس پر ناصحانہ اور معلمانہ انداز میں اُن کو تنبیہ و ملامت بھی کی جائے اور نہایت ہی مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ نادلو، یہ نبی جس راہ کی طرف تم کو بلاتا ہے اس میں تمہارا اپنا بھلا ہے۔ اس پر تمہارا غصہ، اور تمہاری مکاریاں اور چال بازیاں، اور اس کو ناکام کرنے کے لیے تمہاری تدبیریں دراصل اس کے خلاف نہیں بلکہ تمہارے اپنے خلاف پڑ رہی ہیں۔ اس کی بات نہ مانو گے تو اپنا ہی کچھ بگاڑو گے، اس کا کچھ نہ بگاڑو گے۔ وہ جو کچھ تم سے کہہ رہا ہے اس پر غور تو کرو، آخر اس میں غلط کیا بات ہے۔ وہ شرک کی تردید کرتا ہے تم خود آنکھیں کھول کر دیکھو، کیا شرک کے لیے دنیا میں کوئی معقول بنیاد موجود ہے؟

وہ توحید کی دعوت دیتا ہے۔ تم خود عقل سے کام لے کر غور کرو، کیا اللہ فاطر السموات والارض کے سوا کہیں کوئی ایسی ہستی پائی جاتی ہے جو خدائی کی صفات اور اختیارات رکھتی ہو؟ وہ تم سے کہتا ہے کہ تم اس دنیا میں غیر ذمہ دار نہیں ہو بلکہ تمہیں اپنے خدا کو اپنے اعمال کا حساب دینا ہے اور اس دنیوی زندگی کے بعد ایک اور زندگی ہے جس میں ہر ایک کو اپنے کیے کا نتیجہ دیکھنا ہو گا۔ تم خود سوچو کہ اس پر تمہارے شبہات اور اچھٹے کس قدر بے اصل ہیں۔ کیا تمہاری آنکھیں رات دن عاودہ ختی کا مشاہدہ نہیں کر رہی ہیں؟ پھر تمہارا ہی عاودہ اس خدا کے لیے کیوں ناممکن ہو جس نے تم کو ایک ذرا سے نطفے سے پیدا کر دیا۔ کیا تمہاری عقل یہ گواہی نہیں دیتی کہ بھلے اور بُرے کو کیسا نہ ہونا چاہیے؟ پھر تم ہی تباؤ کہ معقول بات کیلئے؟ یہ کہ بھلے اور بُرے کا انجام کیسا ہو، یعنی مٹی میں ملنا اور فنا ہو جانا؛ یا یہ کہ بھلے کو بھلا اور بُرے کو بُرا بدلے؟ اب اگر ان سراسر معقول اور مبنی بر حقیقت باتوں کو تم نہیں مانتے اور جھوٹے خداؤں کی بندگی نہیں چھوڑتے اور اپنے آپ کو غیر ذمہ دار سمجھتے ہو شے شتر بے ہمار ہی کی طرح دنیا میں جینا چاہتے ہو تو اس میں نبی کا کیا نقصان ہے شامت تو تمہاری اپنی ہی آئے گی۔ نبی پر صرف سمجھانے کی ذمہ داری تھی، اور وہ اس نے ادا کر دی۔

سلسلہ کلام میں بار بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ جب نصیحت کا حق پوری طرح ادا کر رہے ہیں تو گمراہی پر اصرار کرنے والوں کے راہ راست قبول نہ کرنے کی کوئی ذمہ داری آپ کے اوپر نماند نہیں ہوتی۔ اس کے ساتھ آپ کو یہ بھی سمجھایا گیا ہے کہ جو لوگ نہیں ماننا چاہتے ان کے رویے پر نہ آپ عملگین ہوں اور نہ انہیں راہ راست پر لانے کی نکر میں اپنی جان گھلائیں۔ اس کے بجائے آپ اپنی توجہات ان لوگوں پر صرف کریں جو بات سننے کے لیے تیار ہیں۔

ایمان قبول کرنے والوں کو بھی اسی سلسلے میں بڑی بشارتیں دی گئی ہیں تاکہ ان کے دل مضبوط ہوں اور وہ اللہ کے وعدوں پر اعتماد کر کے راہ حق میں ثابت قدم رہیں۔

اللہ کے نام سے جو رحمان اور رحیم ہے
تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جو آسمانوں اور زمین کا بنانے والا اور فرشتوں کو
پیغام رساں مقرر کرنے والا ہے، (ایسے فرشتے) جن کے دودو اور تین تین اور چار چار
بازو ہیں۔ وہ اپنی مخلوق کی ساخت میں جیسا چاہتا ہے اضافہ کرتا ہے۔ یقیناً اللہ ہر چیز

لے اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ فرشتے اللہ تعالیٰ اور اس کے انبیاء علیہم السلام کے
در بیان پیغام رسائی کی خدمت انجام دیتے ہیں، اور یہ بھی کہ تمام کائنات میں اللہ جل شانہ کے
احکام لے جانا اور ان کو نافذ کرنا انہی فرشتوں کا کام ہے۔ ذکر کا مقصد یہ حقیقت ذہن نشین کرنا ہے کہ
یہ فرشتے جن کو مشرکین دیوی اور دیوتا بنائے بیٹھے ہیں ان کی حیثیت اللہ وحدہ لا شریک کے فرماں بردار
خادموں سے زائد کچھ نہیں ہے۔ جس طرح کسی بادشاہ کے خدام اس کے احکام کی تعمیل کے لیے دوڑے
پھرتے ہیں، اسی طرح یہ فرشتے کائنات کے فرمانروائے حقیقی کی خدمت بجالانے کے لیے اڑے پھرتے ہیں۔
ان خادموں کے اختیار میں کچھ نہیں ہے۔ سارے اختیارات اصل فرمانروا کے ہاتھ میں ہیں۔

۳۰ ہمارے پاس یہ جاننے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ ان فرشتوں کے بازوؤں اور پروں کی کیفیت
کیا ہے مگر جب اللہ تعالیٰ نے اس کیفیت کو بیان کرنے کے لیے دوسرے الفاظ کے بجائے وہ لفظ
استعمال فرمایا ہے جو انسانی زبان میں پرندوں کے بازوؤں کے لیے استعمال ہوتا ہے تو یہ تصور ضرور
کیا جاسکتا ہے کہ ہماری زبان کا یہی لفظ اصل کیفیت سے قریب تر ہے۔ دودو اور تین تین اور چار چار
بازوؤں کے ذکر سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مختلف فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے مختلف درجہ کی طاقتیں عطا فرمائی ہیں
اور جس سے جیسی خدمت یعنی مطلوبہ ہے اس کو ویسی ہی زبردست سرعت رفتار اور قوت کار سے آہستہ

پر قادر ہے۔ اللہ جس رحمت کا دروازہ بھی لوگوں کے لیے کھول دے اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جسے وہ بند کر دے اسے اللہ کے بعد پھر کوئی دوسرا کھولنے والا نہیں ہے۔ وہ زبردست اور حکیم ہے۔

فرمایا گیا ہے۔

۱۷۰ ان الفاظ سے یہ ترشح ہوتا ہے کہ فرشتوں کے بازوؤں کی انتہائی تعداد چار ہی تک محدود نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے بعض فرشتوں کو اس سے بھی زیادہ بازو عطا فرمائے ہیں۔ حدیث میں حضرت عبد اللہ بن مسعود کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام کو ایک مرتبہ اس شکل میں دیکھا کہ ان کے چھ سو بازو تھے (بخاری۔ مسلم ترمذی)۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضور نے جبریل کو دو مرتبہ ان کی اصلی شکل میں دیکھا ہے ان کے چھ سو بازو تھے اور وہ پورے اُفتی پر چھائے ہوئے تھے، (ترمذی)

۱۷۱ اس کا مقصود بھی مشرکین کی اس غلط فہمی کو رفع کرنا ہے کہ اللہ کے بندوں میں سے کوئی انہیں روزگار دلانے والا اور کوئی ان کو اولاد عطا فرمانے والا اور کوئی ان کے بیماروں کو تندرستی بخشنے والا ہے۔ شرک کے یہ تمام تصورات بالکل بے بنیاد ہیں اور خالص حقیقت صوف یہ ہے کہ جس قسم کی رحمت بھی بندوں کو پہنچتی ہے محض اللہ عزوجل کے فضل سے پہنچتی ہے۔ کوئی دوسرا نہ اس کے عطا کرنے پر قادر ہے اور نہ روک دینے کی طاقت رکھتا ہے۔ یہ مضمون قرآن مجید اور احادیث میں بکثرت مقامات پر مختلف طریقوں سے بیان کیا گیا ہے تاکہ انسان درد کی بھیجک مانگنے اور دوسرا آستانے پر ہاتھ پھیلانے سے بچے اور اس بات کو اچھی طرح سمجھ لے کہ اس کی قسمت کا بننا اور بگڑنا ایک اللہ کے سوا کسی دوسرے کے اختیار میں نہیں ہے۔

۱۷۲ شہ زبردست ہے یعنی سب پر غالب اور کامل اُختدارِ اعلیٰ کا مالک ہے۔ کوئی اس کے فیصلوں کو نافذ ہونے سے نہیں روک سکتا۔ اور اس کے ساتھ ہی وہ حکیم بھی ہے۔ جو فیصلہ بھی وہ کرتا ہے سراسر حکمت کی بنا پر کرتا ہے۔ کسی کو دیتا ہے تو اس لیے دیتا ہے کہ حکمت اسی کی مقتضی ہے۔ اور کسی کو

لوگو! تم پر اللہ کے جو احسانات ہیں انہیں یاد رکھو۔ کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق بھی ہے جو تمہیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہو؟ کوئی معبود اس کے سوا نہیں، آخر تم کہاں سے دھوکا کھا رہے ہو؟ اب اگر (اسے نبی) یہ لوگ تمہیں جھٹلاتے ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں، تم سے پہلے بھی بہت سے رسول جھٹلائے جا چکے ہیں، اور سارے معاملات آخر کار اللہ ہی کی طرف رجوع ہونے والے ہیں۔

نہیں دیتا تو اس لیے نہیں دیتا کہ اسے دنیا حکمت کے خلاف ہے۔

۶۔ یعنی احسان فراموش نہ بنو۔ ملک حرامی نہ اختیار کرو۔ اس حقیقت کو نہ بھول جاؤ کہ تمہیں جو کچھ بھی حاصل ہے، اللہ کا دیا ہوا ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ فقرہ اس بات پر مشتبہ کر رہا ہے کہ جو شخص بھی اللہ کے سوا کسی کی بندگی و پرستش کرتا ہے، یا کسی نعمت کو اللہ کے سوا کسی دوسری ہستی کی عطا و بخشش سمجھتا ہے، یا کسی نعمت کے ملنے پر اللہ کے سوا کسی اور کا شکر جاتا ہے، یا کوئی نعمت مانگنے کے لیے اللہ کے سوا کسی اور سے دعا کرتا ہے، وہ بہت بڑا احسان فراموش ہے۔

۷۔ پہلے فقرے اور دوسرے فقرے کے درمیان ایک لطیف خلا ہے جسے کلام کا موقع و محل خود دہر رہا ہے۔ اس کو سمجھنے کے لیے یہ نقشہ چشم تصور کے سامنے لائیے کہ تقریر مشرکین کے سامنے ہو رہی ہے۔ مقرر حاضرین سے پوچھتا ہے کہ کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق بھی ہے جس نے تم کو پیدا کیا ہو اور زمین و آسمان سے تمہاری رزق رسانی کا سامان کر دیا ہو؟ یہ سوال اٹھا کر مقرر چند لمحے جواب کا انتظار کرتا ہے۔ مگر دیکھتا ہے کہ سارا مجمع خاموش ہے۔ کوئی نہیں کہتا کہ اللہ کے سوا کوئی اور بھی خالق و رازق ہے۔ اس سے خود بخود یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حاضرین کو بھی اس امر کا اقرار ہے کہ خالق و رازق اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے۔ تب مقرر کہتا ہے کہ معبود بھی پھر اس کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا۔ آخر تمہیں یہ دھوکا کہاں سے لگ گیا کہ خالق و رازق تو ہو صرف اللہ، مگر معبود بن جائیں اس کے سوا دوسرے۔

۸۔ یعنی تمہاری اس بات کو نہیں مانتے کہ اللہ کے سوا عبادت کا مستحق کوئی نہیں ہے، اور تم

لوگو، اللہ کا وعدہ یقیناً برحق ہے، لہذا دنیا کی زندگی تمہیں دھوکے میں نہ ڈالے اور نہ وہ بڑا دھوکے باز تمہیں اللہ کے بارے میں دھوکہ دینے پائے۔ درحقیقت شیطان تمہارا دشمن ہے اس لیے تم بھی اسے اپنا دشمن ہی سمجھو۔ وہ تو اپنے پیروں کو اپنی راہ پر اس لیے بلارہا ہے کہ وہ روزخیروں میں شامل ہو جائیں۔ جو لوگ کفر کریں گے ان کے لیے سخت عذاب ہے اور جو ایمان لائیں گے اور نیک عمل کریں گے ان کے لیے مغفرت اور بڑا اجر ہے۔

پر یہ الزام رکھتے ہیں کہ تم نبوت کا ایک جھوٹا دعویٰ لیکر کھڑے ہو گئے ہو۔

۹۔ یعنی فیصلہ لوگوں کے ہاتھ میں نہیں ہے کہ جسے وہ جھوٹا کہہ دیں وہ حقیقت میں جھوٹا ہو جائے۔ فیصلہ تو اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ آخر کار بتا دے گا کہ جھوٹا کون تھا اور جو حقیقت میں جھوٹے ہیں انہیں ان کا انجام بھی دکھا دیگا۔

۱۰۔ وعدے سے مراد آخرت کا وعدہ ہے جس کی طرف اوپر کے اس فقرے میں اشارہ کیا گیا تھا کہ تمام معاملات آخر کار اللہ کے حضور پیش ہونے والے ہیں۔

۱۱۔ یعنی اس دھوکے میں کہ جو کچھ ہے بس یہی دنیا ہے، اس کے بعد کوئی آخرت نہیں ہے جس میں اعمال کا حساب ہونے والا ہو۔ یا اس دھوکے میں کہ اگر کوئی آخرت ہے بھی تو جو اس دنیا میں فرسے کر رہا ہے وہ وہاں بھی فرسے کرے گا۔

۱۲۔ ”بڑے دھوکے باز“ سے مراد شیطان ہے، جیسا کہ آگے کا فقرہ بتا رہا ہے۔ اور اللہ کے بارے میں دھوکا دینے سے مراد یہ ہے کہ وہ کچھ لوگوں کو تو یہ باور کراتے کہ خدا سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔ اور کچھ لوگوں کو اس غلط فہمی میں ڈالے کہ خدا ایک دفعہ بس دنیا کو حرکت دے کر الگ جا بیٹھا ہے، اب اسے اپنی بنائی ہوئی اس کائنات سے عملاً کوئی سروکار نہیں ہے۔ اور کچھ لوگوں کو یہ حکم دے کہ خدا کائنات کا انتظام تو بے شک کر رہا ہے، مگر اس نے انسانوں کی رہنمائی کرنے کا کوئی ذمہ نہیں لیا ہے، اس لیے یہ وحی و رسالت محض ایک ڈھکوسلا ہے۔ اور کچھ لوگوں کو یہ جھوٹے بھروسے دلائے کہ اللہ بڑا غفور رحیم ہے، تم خواہ کتنے ہی گناہ کرو، وہ بخش دے گا، اور اس کے کچھ پیارے ایسے ہیں کہ ان کا دامن تمام لوگوں پر باز ہے۔

دیکھنا کچھ ٹھکانا ہے اس شخص کی گمراہی کا) جس کے لیے اُس کا بُرا عمل خوشنما بنا دیا گیا ہو اور وہ اسے اچھا سمجھ رہا ہو؟ حقیقت یہ ہے کہ اللہ جسے چاہتا ہے گمراہی میں ڈال دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے راہِ راست دکھا دیتا ہے۔ پس (اے نبی) خواہ مخواہ تمہاری جان لوگوں کی خاطر غم و فسون میں نہ گھلتے۔

۱۱۔ یعنی خدا کی کتاب اور اس کے رسول کی اس دعوت کو ماننے سے انکار کر دیں گے۔

۱۲۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان کی خطاؤں سے درگزر فرماتے گا اور جو نیک عمل انہوں نے کیے ہونگے ان کا محض برابر برابر ہی اجر دیکر نہ رہ جائے گا بلکہ انہیں بڑا اجر عطا فرمائے گا۔

۱۳۔ اوپر کے دو پیرا گراف عوام الناس کو خطاب کر کے ارشاد ہوئے تھے۔ اب اس پیرا گراف میں اُن علمبردارانِ ضلالت کا ذکر ہو رہا ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو نیچا دکھانے کے لیے اٹھری چوٹی کا زور لگا رہے تھے۔

۱۴۔ یعنی ایک بگڑا ہوا آدمی تو وہ ہوتا ہے جو بُرا کام تو کرتا ہے مگر یہ جانتا اور مانتا ہے کہ جو کچھ وہ کر رہا ہے بُرا کر رہا ہے۔ ایسا شخص سمجھنے سے بھی درست ہو سکتا ہے اور کبھی خود اس کا اپنا ضمیر بھی ملامت کر کے اسے راہِ راست پر لاسکتا ہے۔ کیونکہ اس کی صرف عادتیں ہی بگڑی ہیں۔ ذہن نہیں بگڑا۔ لیکن ایک دوسرا شخص ایسا ہوتا ہے جس کا ذہن بگڑ چکا ہوتا ہے، جس میں بُرے اور بھلے کی تمیز باقی نہیں رہتی، جس کے لیے گناہ کی زندگی ایک مرغوب اور تانیلاک زندگی ہوتی ہے، جو نیکی سے گھن کھاتا ہے اور بدی کو عین تہذیب و ثقافت سمجھتا ہے، جو صلاح و تقویٰ کو دنیا نوسیت اور فسق و فجور کو ترقی پسندی خیال کرتا ہے، جس کی نگاہ میں ہدایت گمراہی اور گمراہی سراسر ہدایت بن جاتی ہے۔ ایسے شخص پر کوئی نصیحت کارگر نہیں ہوتی وہ نہ خود اپنی حماقتوں پر متنبہ ہوتا ہے اور نہ کسی سمجھانے والے کی بات سن کر دیتا ہے۔ ایسے آدمی کے پیچھے پڑنا لا حاصل ہے۔ اسے ہدایت دینے کی فکر میں اپنی جان گھلانے کے بجائے داعی حق کو اُن لوگوں کی طرف توجہ کرنی چاہیے جن کے ضمیر میں ابھی زندگی باقی ہو اور جنہوں نے اپنے دل کے دروازے حق کی آواز کے لیے بند نہ کر لیے ہوں۔

۱۵۔ پہلے فقرے اور اس فقرے کے درمیان یہ ارشاد کر کہ اللہ جسے چاہتا ہے گمراہی میں ڈال دیتا ہے

جو کچھ یہ کر رہے ہیں اللہ اس کو خوب جانتا ہے۔ وہ اللہ ہی تو ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے، اور جسے چاہتا ہے راہِ راست دکھا دیتا ہے۔ صاف طور پر یہ معنی دے رہا ہے کہ جو لوگ اس حد تک اپنے ذہن کو بگاڑ لیتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت کی توفیق سے محروم کر دیتا ہے اور انہی راہوں میں بھٹکنے کے لیے انہیں چھوڑ دیتا ہے جن میں بھٹکنے رہنے پر وہ خود مُصر ہوتے ہیں۔ یہ حقیقت سمجھا کر اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین فرماتا ہے کہ ایسے لوگوں کو راہِ راست پر لے آنا تمہارے بس میں نہیں ہے۔ لہذا ان کے معاملہ میں صبر کرو اور جس طرح اللہ کو ان کی پروا نہیں رہی ہے تم بھی ان کے حال پر غم کھانا چھوڑ دو۔ اس مقام پر دو باتیں اچھی طرح سمجھ لینی چاہئیں۔ ایک یہ کہ یہاں جن لوگوں کا ذکر کیا جا رہا ہے وہ عامۃ الناس نہیں تھے بلکہ مکہ معظمہ کے وہ سردار تھے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو ناکام کرنے کے لیے پرجھوٹ، ہر فریب اور ہر مکر سے کام لے رہے تھے۔ یہ لوگ درحقیقت حضور کے متعلق کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ تھے۔ خوب جانتے تھے کہ آپ کس چیز کی طرف بلا رہے ہیں اور آپ کے مقابلے میں وہ خود کن جہالت اور اخلاقی خرابیوں کو برقرار رکھنے کے لیے کوشاں ہیں۔ یہ سب کچھ جانتے اور سمجھ لینے کے بعد ٹھنڈے دل سے ان کا فیصلہ یہ تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو نہیں چلنے دینا ہے۔ اور اس غرض کے لیے انہیں کوئی اوچھے سے اوجھا ہتھیار اور کوئی ذلیل سے ذلیل ہتھکنڈا استعمال کرنے میں باک نہ تھا۔ اب یہ ظاہر بات ہے کہ جو لوگ جان بوجھ کر اور آپس میں مشورے کر کے آٹے دن ایک نیا جھوٹا تصنیف کریں اور اسے کسی شخص کے خلاف پھیلائیں وہ دنیا بھر کو دھوکا دے سکتے ہیں مگر خود اپنے آپ کو تو وہ جھوٹا جانتے ہیں اور خود ان سے تو یہ بات چھپی ہوئی نہیں ہوتی کہ جس شخص پر انہوں نے ایک الزام لگایا ہے وہ اُس سے بُری ہے۔ پھر اگر وہ شخص جس کے خلاف یہ جھوٹے ہتھیار استعمال کیے جا رہے ہوں، ان کے جواب میں کبھی صداقت و راستبازی سے ہٹ کر کوئی بات نہ کرے تو ان ظالموں سے یہ بات بھی کبھی چھپی نہیں رہ سکتی کہ ان کا مذمتی مقابل ایک سچا اور کھرا انسان ہے۔ اس پر بھی جن لوگوں کو اپنے کرتوتوں پر ذرا اثر نہ آئے اور وہ سچائی کا مقابلہ مسلسل جھوٹ سے کرتے ہی چلے جائیں ان کی یہ روش خود ہی اس بات پر شہادت دیتی ہے کہ اللہ کی ٹھیک کاران پر پڑ چکی ہے اور ان میں بُرے بھلے کی کوئی تمیز باقی نہیں رہی ہے۔

پھر وہ بادل اٹھاتی ہیں، پھر ہم اسے ایک اجازت علاقے کی طرف لے جاتے ہیں اور اسی زمین کو جلا اٹھاتے ہیں جو مری ٹپری تھی۔ مرے بوٹے انسانوں کا جی اٹھنا بھی اسی طرح ہوگا۔^{۱۹}
جو کوئی عزت چاہتا ہو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ عزت ساری کی ساری اللہ کی ہے۔

دوسری بات جسے اس موقع پر سمجھ لینا چاہیے وہ یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے پیش نظر محض اپنے رسول پاک کو ان کے معاملے کی اصل حقیقت سمجھانا ہوتا تو وہ خفیہ طور پر صرف آپ ہی کو سمجھا سکتا تھا۔ اس غرض کے لیے وحی جلی میں علی الاعلان اس کے ذکر کی حاجت نہ تھی۔ قرآن مجید میں اسے بیان کرنے اور دنیا بھر کو سنا دینے کا مقصود دراصل عوام الناس کو متنبہ کرنا تھا کہ جن لیڈروں اور پیشواؤں کے پیچھے تم انہیں بند کیے چلے جا رہے ہو وہ کیسے بگڑے ہوتے زمین کے لوگ ہیں اور ان کی یہ وہ حرکات کس طرح منہ سے پکار پکار کر تباہی ہیں کہ ان پر اللہ کی پٹھکار ٹپری ہوئی ہے۔

۱۸۔ اس فقرے میں آپ سے آپ یہ دھمکی پوشیدہ ہے کہ ایک وقت آئیگا جب اللہ تعالیٰ انہیں ان کر توڑوں کی سزا دیگا۔ کسی حاکم کا کسی مجرم کے متعلق یہ کہنا کہ میں اس کی حرکتوں سے خوب واقف ہوں صرف یہی معنی نہیں دیتا کہ حاکم کو اس کی حرکتوں کا علم ہے، بلکہ اس میں یہ تشبیہ لازماً مضمون ہوتی ہے کہ میں اس کی خبر لے کر رہوں گا۔

۱۹۔ یعنی یہ نادان لوگ آخرت کو بعید از امکان سمجھتے ہیں اور اسی لیے اپنی جگہ اس خیال میں مگن ہیں کہ دنیا میں یہ خواہ کچھ کرتے رہیں بہر حال وہ وقت کبھی آنا نہیں ہے جب انہیں جواب دہی کے لیے خدا کے حضور حاضر ہونا پڑیگا۔ لیکن یہ محض ایک خیالی خام ہے جس میں یہ مبتلا ہیں۔ قیامت کے روز تمام اگلے پچھلے مرے ہوئے انسان اللہ تعالیٰ کے ایک اشارے پر بالکل اسی طرح یکایک جی اٹھیں گے جس طرح ایک بارش ہوتے ہی سوئی ٹپری ہوئی زمین یکایک لہلہا اٹھتی ہے اور تلوں کی مری ہوئی جڑیں سرسبز و شاداب ہو کر زمین کی تہوں میں سے سر نکالنا شروع کر دیتی ہیں۔

۲۰۔ یہ بات ملحوظ رہے کہ قریش کے سردار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں جو کچھ بھی کر رہے تھے اپنی عزت اور اپنے وقار کی خاطر کر رہے تھے۔ ان کا خیال یہ تھا کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بات چل گئی

اس کے ہاں جو چیز اوپر چڑھتی ہے وہ صرف پاکیزہ قول ہے، اور عمل صالح اس کو اوپر چڑھاتا ہے۔ رہے وہ لوگ جو بہبودہ چال بازیاں کرتے ہیں، ان کے لیے سخت عذاب ہے اور ان کا مکہ خود ہی غارت ہونے والا ہے۔

اللہ نے تم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر لطفہ سے، پھر تمہارے جوڑے بنا دیئے (یعنی مرد اور عورت)۔ کوئی عورت حاملہ نہیں ہوتی اور نہ بچہ جنبتی ہے مگر یہ سب کچھ اللہ کے علم میں ہوتا ہے۔

تو ہماری بڑائی ختم ہو جائے گی، ہمارا اثر و رسوخ مٹ جائیگا اور ہماری جو عزت سارے عرب میں بنی ہوئی ہے وہ خاک میں مل جائے گی۔ اس پر فرمایا جا رہا ہے کہ خدا سے کفر و نفاق کر کے جو عزت تم نے بنا رکھی ہے، یہ تو ایک جھوٹی عزت ہے جس کے لیے خاک ہی میں ملنا مقدر ہے۔ حقیقی عزت اور پائیدار عزت، جو دنیا سے لیکر عقبی تک کبھی ذلت آشنا نہیں ہو سکتی، صرف خدا کی بندگی میں ہی میسر آ سکتی ہے۔ اُس کے ہو جاؤ گے تو وہ تمہیں مل جائے گی۔ اور اُس سے منہ موڑو گے تو ذلیل و خوار ہو کر رہو گے۔

لکھ یہ ہے عزت حاصل کرنے کا اصل ذریعہ۔ اللہ کے ہاں جھوٹے اور خبیث اور مفسدانہ احوال کو کبھی عروج نصیب نہیں ہوتا۔ اس کے ہاں تو صرف وہ قول عروج پاتا ہے جو سچا ہو، پاکیزہ ہو، حقیقت پر مبنی ہو، اور جس میں نیک نیتی کے ساتھ ایک صلح عقیدے اور ایک صحیح طرزِ فکر کی ترجمانی کی گئی ہو۔ پھر جو چیز ایک پاکیزہ کلمے کو عروج کی طرف لے جاتی ہے وہ قول کے مطابق عمل ہے۔ جہاں قول بڑا پاکیزہ ہو مگر عمل اس کے خلاف ہو وہاں قول کی پاکیزگی ٹھٹھ کر رہ جاتی ہے۔ محض زبان کے بھاگ اڑانے سے کوئی کلمہ بلند نہیں ہوتا۔ اسے عروج پر پہنچانے کے لیے عمل صالح کا زور درکار ہوتا ہے۔

اس مقام پر یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیے کہ قرآن مجید قولِ صالح اور عملِ صالح کو لازم و ملزوم کی حیثیت پیش کرتا ہے۔ کوئی عمل محض اپنی ظاہری شکل کے اعتبار سے صالح نہیں ہو سکتا جب تک اس کی نیت پر عقیدہ صالح نہ ہو۔ اور کوئی عقیدہ صالحہ ایسی حالت میں معتبر نہیں ہو سکتا جب تک کہ آدمی کا عمل اس کی تائید و تصدیق نہ کر رہا ہو۔ ایک شخص اگر زبان سے کہتا ہے کہ میں صرف اللہ و وحدہ لا شریک کو معبود مانتا ہوں، مگر عملاً وہ غیر اللہ کی عبادت کرتا ہے تو اس کا یہ عمل اس کے قول کی تکذیب کر دیتا ہے۔ ایک شخص اگر

کوئی عمر پانے والا عمر نہیں پانا اور نہ کسی کی عمر میں کچھ کمی ہوتی ہے مگر یہ سب کچھ ایک کتاب میں لکھا ہوتا ہے۔ اللہ کے لیے یہ بہت آسان کام ہے۔ اور پانی کے دونوں ذخیرے کیساں نہیں ہیں۔ زبان سے کہتا ہے کہ میں شراب کو حرام مانتا ہوں، مگر عملاً وہ شراب پیتا ہے تو اس کا محض قول نہ خلق کی نگاہ میں مقبول ہو سکتا ہے نہ خدا کے ہاں اسے کوئی قبولیت نصیب ہو سکتی ہے۔

۲۲ یعنی باطل اور نصیحت کلمے لیکر اٹھتے ہیں، ان کو چالاکوں سے، فرب کاریوں سے اور نظر فرب استدلالوں سے فروغ دینے کی کوشش کرتے ہیں، اور ان کے مقابلے میں کلمہ حق کو نیچا دکھانے کے لیے کوئی بُری سے بُری تدبیر استعمال کرنے سے باز نہیں رہتے۔

۲۳ یہاں سے پھر روئے سخن عوام الناس کی طرف بھرتا ہے۔

۲۴ یعنی انسان کی آفرینش پہلے براہ راست مٹی سے کی گئی، پھر اس کی نسل نطفے سے چلائی گئی۔

۲۵ یعنی جن شخص بھی دنیا میں پیدا ہوتا ہے اس کے متعلق پہلے ہی یہ لکھ دیا جاتا ہے کہ اسے دنیا

میں کتنی عمر پانی ہے۔ کسی کی عمر دراز ہوتی ہے تو اللہ کے حکم سے ہوتی ہے، اور چھوٹی ہوتی ہے تو وہ بھی

اللہ ہی کے فیصلے کی بنا پر ہوتی ہے۔ بعض نادان لوگ اس کے جواب میں یہ استدلال پیش کرتے ہیں کہ

پہلے تو زائیدہ بچوں کی موتیں بکثرت واقع ہوتی تھیں اور اب علم طب کی ترقی نے ان اموات کو روک دیا ہے

اور پہلے لوگ کم عمر پاتے تھے، اب وسائل علاج بڑھ جانے کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ عمریں طویل ہوتی جا رہی

ہیں۔ لیکن یہ دلیل قرآن مجید کے اس بیان کی تردید میں صرف اُس وقت پیش کی جاسکتی تھی جبکہ کسی ذبیحہ

سے ہم کو یہ معلوم ہو جاتا کہ اللہ تعالیٰ نے تو فلاں شخص کی عمر مثلاً دو سال لکھی تھی اور ہمارے طبی وسائل

نے اُس میں ایک دن کا اضافہ کر دیا۔ اس طرح کا کوئی علم اگر کسی کے پاس نہیں ہے تو وہ کسی معقول

بنیاد پر قرآن کے اس ارشاد کا معارضہ نہیں کر سکتا۔ محض یہ بات کہ اعداد و شمار کی رو سے اب بچوں کی

شرح اموات گھٹ گئی ہے، یا پہلے کے مقابلہ میں اب لوگ زیادہ عمر پا رہے ہیں، اس امر کی دلیل

نہیں ہے کہ انسان اب اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کو بدلنے پر قادر ہو گیا ہے۔ آخر اس میں کیا عقلی استنباط

ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مختلف زمانوں میں پیدا ہونے والے انسانوں کی عمریں مختلف طور پر مقرر فرمائی ہوں

ایک بیٹھا اور پیاس بجھانے والا ہے، پینے میں خوشگوار، اور دوسرا سخت کھاری کہ حلق چھیل دے۔ مگر دونوں سے تم تر و تازہ گوشت حاصل کرتے ہو، پینے کے لیے زینت کا سامان نکالتے ہو، اسی پانی میں تم دیکھتے ہو کہ کشتیاں اس کا سینہ پھیرتی چلی جا رہی ہیں تاکہ تم اللہ کا فضل تلاش کرو۔ اس کے شکر گزار بنو۔ وہ دن کے اندر رات کو اور رات کے اندرون کو پرتا ہوا لے آتا ہے۔ چاند اور سورج کو اس نے مسخر کر رکھا ہے۔ یہ سب کچھ ایک وقت مقرر تک چلے جا رہا ہے۔ وہی اللہ جس کے یہ سارے کام ہیں، تمہارا رب ہے۔ بادشاہی اسی کی ہے۔ اسے چھوڑ کر جن دوسروں کو تم پکارتے ہو وہ ایک پرکاشہ کے مالک بھی نہیں ہیں۔ انہیں پکارو تو وہ تمہاری دعائیں سن نہیں سکتے اور اور یہ بھی اللہ عزوجل ہی کا فیصلہ ہو کہ فلاں زمانے میں انسان کو فلاں امراض کے علاج کی قدرت عطا کی جائیگی اور فلاں دور میں انسان کو بقائے حیات کے فلاں ذرائع بخشے جائیں گے۔

۶۔ یعنی اتنی بے شمار مخلوق کے بارے میں اتنا تفصیلی علم اور فرد کے بارے میں اتنے مفصل احکام اور فیصلے کرنا اللہ کے لیے کوئی دشوار کام نہیں ہے۔

۷۔ یعنی ایک وہ ذخیرہ جو سمندروں میں ہے۔ دوسرا وہ ذخیرہ جو دریاؤں، چشموں اور جھیلوں میں ہے۔

۸۔ یعنی آبی جانوروں کا گوشت۔

۹۔ یعنی موتی، مونگے، اور بعض دریاؤں سے ہیرے اور سونا۔

۱۰۔ یعنی دن کی روشنی آہستہ آہستہ گھٹنی شروع ہوتی ہے اور رات کی تاریکی بڑھتے بڑھتے آخر کار پوری طرح چھا جاتی ہے۔ اسی طرح رات کے آخر میں پہلے افق پر ہلکی سی روشنی نمودار ہوتی ہے اور پھر رفتہ رفتہ روز روشن نکل آتا ہے۔

۱۱۔ ایک ضابطے کا پابند بنا رکھا ہے۔

۱۲۔ اصل میں لفظ قطمیر استعمال کیا گیا ہے جس سے مراد وہ پتلی سی جھٹی ہے جو کھجور کی گٹھلی پر ہوتی ہے۔ لیکن اصل مقصود یہ بتانا ہے کہ مشرکین کے معبود کسی حقیرے حقیر چیز کے بھی مالک نہیں ہیں۔ اسی لیے

سُن میں تو ان کا تمہیں کوئی جواب نہیں دے سکتے۔ اور قیامت کے روز وہ تمہارے شرک کا انکار کر دیں گے۔ حقیقت حال کی ایسی صحیح خبر تمہیں ایک خبردار کے سوا کوئی نہیں دے سکتا۔

ہم نے لفظی ترجمہ چھوڑ کر مراد ہی ترجمہ کیا ہے۔

۳۳ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ تمہاری دعا کے جواب میں پکار کر یہ نہیں کہہ سکتے کہ تمہاری دعا قبول کی گئی یا نہیں کی گئی۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ تمہاری درخواستوں پر کوئی کارروائی نہیں کرتے۔ ایک شخص اگر اپنی درخواست کسی ایسے شخص کے پاس بھیج دیتا ہے جو حاکم نہیں ہے تو اس کی درخواست رائگاں جاتی ہے، کیونکہ وہ جس کے پاس بھیجی گئی ہے اس کے ہاتھ میں سرے سے کوئی اختیار ہی نہیں ہے، نہ رد کرنے کا اختیار اور نہ قبول کرنے کا اختیار۔ البتہ اگر وہ ہی درخواست اُس ہستی کے پاس بھیجی جائے جو واقعی حاکم ہو، تو اس پر لازماً کوئی نہ کوئی کارروائی ہوگی، قطع نظر اس سے کہ وہ قبول کرنے کی شکل میں ہو یا رد کرنے کی شکل میں۔

۳۴ یعنی وہ صاف کہہ دیں گے کہ ہم نے ان سے کبھی یہ نہیں کہا تھا کہ ہم خدا کے شریک ہیں، تم ہماری عبادت کیا کرو۔ بلکہ ہمیں یہ خبر بھی نہ تھی کہ یہ ہم کو اللہ رب العالمین کا شریک ٹھہرا رہے ہیں اور ہم سے دعائیں مانگ رہے ہیں۔ ان کی کوئی دعا ہمیں نہیں پہنچی اور ان کی کسی تذر و نیاز کی ہم تک رسائی نہیں ہوئی۔

۳۵ خبردار سے مراد اللہ تعالیٰ خود ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دوسرا کوئی شخص تو زیادہ سے زیادہ عقلی استدلال سے شرک کی تردید اور مشرکین کے معبودوں کی بے اختیاری بیان کر گیا۔ مگر ہم حقیقت حال سے براہ راست باخبر ہیں۔ ہم علم کی بنا پر تمہیں بتا رہے ہیں کہ لوگوں نے جن جن کو بھی ہماری خدائی میں بااختیار ٹھہرا رکھا ہے وہ سب بے اختیار ہیں۔ ان کے پاس کوئی طاقت نہیں ہے جس سے وہ کسی کا کوئی کام بنا سکیں یا بگاڑ سکیں۔ اور ہم براہ راست یہ جانتے ہیں کہ قیامت کے روز مشرکین کے یہ معبود خود ان کے شرک کی تردید کرینگے۔